

ڈھنی فکر کو تبدیل کیا گیا ہے!

سیکسونی سے محروم قوم کا عمل کیا ہونا چاہیے۔ بالکل وہی، جو آج تک کیا جا رہا ہے، بولا جا رہا ہے۔ خود کش حملے ہمارے لیے قطعاً نہ نہیں۔ انکی عادت سی ہو چکی ہے۔ بریکنگ نیوز، چند سطحی قسم کے پہلے سے لکھے ہوئے مذمتی بیانات اور متأثرین کیلئے ادنیٰ سی ماں امداد۔ حیرت انگیز یکسانیت اور فنا کرنے والا طرزِ عمل!

کوئی بھی اس سوچ کی مذمت نہیں کرتا جو دہشت گردی کے درخت کی آبیاری کر رہی ہے۔ ہر طرف یہ کا نٹے دار درخت اب اتنے بڑھ چکے ہیں کہ گئے نہیں جاسکتے۔ دہشت گردی کا ایک جنگل ہے۔ کوئی بھی اس کا شکار ہو سکتا ہے۔ بے موت مارا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی محفوظ نہیں۔ سوائے ان درجن برابر قائدین کے جنکے ارڈر گر دیسینکڑوں محافظ ہیں اور جو کبھی بھی لوگوں کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے یہ ہمارے سمجھدار ترین لوگ ہیں۔ سب سے زیادہ طاقتوگر اندر سے بے حد کمزور۔ قیام پاکستان کے وقت ہمارے مصائب اور ایسے بالکل مختلف تھے۔ قتل و غارت کی بنیادی وجوہات بھی یکسر دوسری تھیں۔ فرقے کی بنیاد پر دہشت گردی کسی کے وہم و گمان تک میں نہیں تھی۔ جن سیاسی قائدین نے پاکستان کی بنیاد رکھی، عملی طور پر ان میں مذہبی تعصب بالکل نہیں تھا۔ دلیل سامنے ہے۔ اگر عصیت ہوتی تو جو گندر ناتھ منڈل وزیر قانون نہ ہوتا اور ظفر اللہ خان وزیر خارجہ نہ ہوتا۔ جن لوگوں نے انگریزوں کے سامنے مسلمانوں کیلئے علیحدہ وطن کا مقدمہ موثر طریقے سے لڑا، انکی سوچ بالکل واضح تھی۔ طاقت کی بنیاد پر ذاتی مذہبی افکار کو کسی پر مسلط کرنے کے خلاف تھے۔ انکے لباس، معاشرت اور سماجی روایوں میں مغربی رنگ غالب تھا۔ مگر جیسے ہی یہ قائدین ختم ہوئے، ہمارے ملک کی فکری اساس کو انہتائی بے رحمی سے تبدیل کرنے کا عمل شروع ہو گیا۔ تلخی نہیں بڑھانا چاہتا۔ اگر پاکستان حاصل کرنا اتنا ہی آسان تھا تو ہمارے مذہبی رہنماء اور دین کا مخصوص رویدہ رکھنے والے قائدین کیوں اس کام میں ناکام رہے۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ برطانیہ سے تعلیم یافتہ لوگوں نے مغربی طرز کی جمہوریت کو اپنے عمل کی بنیاد بنا�ا۔ ووٹ کی طاقت سے ایک الگ ملک حاصل کر لیا۔ مگر چند دینی رہنماؤں نے اس عظیم کارنا مے اور غیر متعصب فکر کو تبدیل کر کے وہ کام کر دا لاجوہ انگریز کی حکومت میں کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس ملک کا نام تک ایک ایسے طالب علم نے رکھا جو لندن کی ایک یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ چوبدری رحمت علی کیمرج کا طالب علم تھا جس نے "ابھی یا کبھی نہیں" "Now or Never" عنوان کا پھلفٹ لکھا جہاں سے ہمارے ملک کا نام شروع ہوا۔ یہ نام کسی مذہبی ادارے یا درس گاہ میں وجود میں نہیں آیا۔ حیرت انگیز حکمتِ عملی سے یہ تمام عناصر ہندوستان سے اس ملک میں آگئے، جس کا نام تک نہیں سننا چاہتے تھے۔

انہتائی نازک نکتہ عرض کر رہا ہوں۔ ہمارے شہریوں کی متوازن مذہبی سوچ کو آہستہ آہستہ تبدیل کیا گیا۔ تاریخ کے تناظر میں ہر غیر تشدید پسندانہ روایت کو بدلنے کا کام شروع ہو گیا۔ غیر محسوس طریقے سے نوجوان نسل کے ایک طبقے پر اس انداز میں کام شروع ہوا جس میں خاص فکر کو تمام لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ جو ساتھ مل گئے وہ رفیق اور مجاهد کہلائے۔ جنہوں نے ذرا سی بھی چوں چرا کی، انہیں کافر، ملکی، سیکولر، لا دین اور مغربی ایجنت قرار دیدیا گیا۔ حد یہاں تک ہوئی کہ ایک "نظریہ پاکستان" بھی تخلیق کیا گیا۔ ایک

ایسا نظریہ یا اساس جسکا ملک بنانے والے سیاسی قائدین سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔

بات یہاں نہیں رکتی۔ دفاعی اداروں کے چند سرکردہ لوگوں نے ہروہ حربہ استعمال کیا جس سے انہیں دوام مل سکے۔ افغانستان کا جہاد، طالبان اور دیگر عناصر کی اس طرز سے پورش کی گئی کہ وہ تمام لوگ جو پہلے اپنی سوچ کو ملک پر مسلط کرنا چاہتے تھے، مکمل طور پر مسلح کر دیے گئے۔ ہر ایک کے علم میں ہے کہ کس نے کیا کارنامہ سرانجام دیا۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کو ایک مثالی اسلامی حکومت قرار دیا گیا۔ آج بھی دانشوروں، رہنماؤں اور قائدین کی کمی نہیں جو ملا عمر کی حکومت کو ہر طریقے سے بہترین گردانتے تھے اور ہیں۔ ان لوگوں نے 9/11 کے بعد بھی اپنے بنیادی نظریہ کو تبدیل نہیں کیا۔ انتہائی سفا کی سے انہوں نے پوری دنیا کی جنگ کو اپنے ملک میں منتقل کر دیا۔ مسلح جھٹے، نظریاتی بریگیڈ اور لشکر ہمارے ہر شہر میں کسی نہ کسی طرح وارد ہو گئے۔ انہوں نے ایک اور فکری تبدیلی بھی کی۔ انگریزی لفظوں کو اپنے مطلب کے معنی دے دیے۔ سیکولر کولادین بنادیا گیا۔ معاشرے کی نظریاتی اساس کو تشدید پسندانہ سوچ میں بدل دیا گیا۔ اس امر کے کئی شواہد ہیں کہ القاعدہ اور داعش نے ہمارے تیار کردہ مجاہدین سے ہی جنم لیا۔ مگر اسکو ماننا انتہائی مشکل ہے۔ شاکداب ناممکن ہے! فکر کو تبدیل کرنے کے عمل نے اسلام کی بنیادی قدروں کی مقامی توحیح بناؤالی۔ آہستہ آہستہ دلیل، منطق اور اسلام کے انقلابی پہلو کو نظر انداز کر کے زبانی تقلید کو اہم بنادیا گیا۔ انسان کی بنیاد یعنی کردار کو ملک طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ اس سے وہ منافقت اور دعویٰ پیدا ہوئی جس سے ہمارا نظام مسخرہ ہو چکا ہے۔ انسانی جبلت سے مکمل "پہلو ہی" کی گئی۔ حد تو یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مورخین کو بھی ممتاز عہد بنادیا گیا۔ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ غور فرمائیے۔ دہشت گردی کو ایک نیک اور صائب قدم قرار دیا گیا۔ اگر آپکو یقین نہیں، تو لا ہور میں پنجاب اسمبلی کے باہر دہشت گردی پر اس جماعت کا اعلان پڑھ لجئے جو انہوں نے واردات کے بعد دیا ہے۔ یہ انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ حملہ کرنے والے کا نام، کنیت اور کام کو عظیم کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہے بلکہ کیوں ہے۔ صرف اسیے کہ پچاس پچس سال سے ہمارے چند لوگ جو اپنی ڈہنی فکر کو مسلط کرنا چاہتے ہیں، جزوی طور پر کامیاب ہو چکے ہیں۔ معاشرے میں دلیل کی آواز کو خوف زدہ کر دیا گیا ہے۔ قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ تمام مذہبی جماعتوں نے منفی کام کیے ہیں مگر انکے چند مخصوص گروہ بہر حال دہشت گردی کے پیونے میں سرخیل ضرور ہے ہیں۔ مذہبی جماعتوں نے بہترین سماجی کام بھی سرانجام دیے ہیں۔ مگر انکے مقلدین سے وہ غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں جن سے آج ہم مکمل انتشار کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایک خاص طرح کی سوچ ہمارے ملک کے ہر ادارے میں سراہیت کر جکی ہے۔ علماء سے لیکر یونیورسٹیوں کے پروفیسر و مدرسین تک، تاجر و ملازموں تک، سیاسی قائدین سے لیکر دفاعی اداروں تک۔ یہ الگ بات ہے کہ سوچ لفظوں تک محدود ہے یا آج بھی دنیا پر غلبہ کرنے کا خواب بیچا جا رہا ہے۔

سادہ ہی مثالیں صرف اسیے دینا چاہتا ہوں کہ اس سوچ کے عملی پہلو کو ظاہر کر سکوں۔ بست صدیوں پر انا ٹھوار ہے۔ پنجاب کے کلچر میں موسم بہار کی آمد کیلئے مخصوص ہے۔ اسکا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ تاریخ کے تناظر میں دیکھیے تو تمام مذہب کے لوگ بست مناتے تھے۔ یہ بنیادی طور پر پنجاب کی ایک خوش کن روایت تھی۔ اس دن پیلے کپڑے پہنے جاتے تھے اور چند لوگ پنگے اڑاتے تھے۔ ایک طرح سے خوشی کا اظہار تھا۔ نوے کی دہائی میں لا ہور میں یہ ٹھوار اتنا مقبول ہو گیا کہ پوری دنیا سے سیاح بست دیکھنے اور منانے

لا ہو رآ جاتے تھے۔ اندر وون لا ہور میں کمپنیاں اور لوگ چھتوں کو کرایے پر لیکر بھر پور طریقے سے اس تھوار میں شمولیت کرتے تھے۔ صرف ایک دن کیلئے ہزاروں لوگوں کو باعزت روزگار بھی مہیا ہوتا تھا اور سیاحت بھی فروغ پاتی تھی۔ پھر اس بے ضرر روایت میں بے دریغ فائزگ کا غضرا آیا۔ ڈور میں دھاتی تار استعمال کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ حادثے ہونے لگے اور موڑ سائکل سواروں کی گرد نیں کٹنی شروع ہو گئیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بسنت کو خراب کرنے والوں کے خلاف آہنی قانونی ہاتھ استعمال ہوتا۔ مگر ایک غیر دانشمندانہ فیصلے سے یہ تھوار ہی ختم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہا گیا کہ یہ ایک غیر مسلم روایت ہے اور اسکے نزدیک تک نہیں جانا چاہیے۔ نتیجہ نکلا کہ ایک خوبصورت دور بر باد ہو گیا۔ ناہلی کا اس جیسا واقعہ اور کیا ہوگا۔ مگر نہیں، ناہلی تو ہر طرف عروج پر ہے۔ کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اگر یہ تھوار جاری رہتا تو معاشرتی اقدار کا پھیکا پن چند دنوں کیلئے دور ہو جاتا۔ بسنت قطعاً اہم نہیں ہے۔ مگر اسکو جرم قرار دینا اس بدی ہوئی فکری بنیاد سے وابسطہ ہے جسکا ذکر کر رہا ہوں۔

چند دن پہلے ویلنٹائن ڈے گزر رہے۔ میرے نزدیک یہ بالکل اہم نہیں۔ مگر کیا عدالتی حکم سے اسکو غیر قانونی قرار دینا مناسب ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا اس حکم کی سو فیصد تعییل ہوئی ہے یا کی جاسکتی ہے۔ درست ہے کہ ویلنٹائن ڈے رومان دن لیو پرسیلیا Lupercalia سے مانوڑ ہے۔ مغرب سے ہوتا ہوا اب پوری دنیا میں پنپ چکا ہے۔ مگر کیا واقعی اس دن سے ہمارے تشخض کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ سمجھنے میں آتی کہ وہ بالآخر کون سے بزر جمہر ہیں جو اس دن کو بھی ایک مخصوص سوچ سے متصادم سمجھتے ہیں۔ مگر نہیں، ہم اسکے مخالف ہیں، کیونکہ یہ ایک مغربی چھاپ سے مسلک ہے۔ چلیے مان لیجئے۔ پھر اتنی ہمت بلکہ ظرف بھی پیدا کریں کہ مغرب کی تمام چیزوں اور روایات کو یکسر ترک کر ڈالیں۔ بین الاقوامی کھانے کی کمپنیوں سے لیکر مغربی لباس، کار سے لیکر ہوائی جہاز، کمپیوٹر سے لیکر ایکبوالنیس، غرض ہر اس چیز کو خیر آباد کہہ دیں جسکی جڑیں مغرب سے ملی ہوئی ہیں۔ مگر یہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسیلے کہ گزشتہ سات صدیوں سے ہم نے بُن تک خود نہیں بنایا۔ ہر امر میں مغرب کے خوشہ چیزیں ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک دن کو غاشی کے ذمے میں لا کر، اس پر قدغن لگا کر خوش ہو جاتے ہیں کہ بہت بڑا کار نامہ انجام دیا۔ بنیادی طور پر یہ وہی سوچ ہے جس پر پہلے عرض کر رہا تھا۔

لال شہباز قلندر کے مزار پر خود کش حملہ ہو یا آواران میں فوجی جوانوں کی گاڑی پر واردات ہو۔ سینکڑوں زائرین دھماں ڈالنے شہید ہوں یا فوجی جوان جام شہادت نوش کر لیں، معاملہ اسی سوچ کا ہے جسکو ہم نے ریاست کی سطح پر بڑھا وادیا۔ پروان چڑھایا۔ آبیاری کی۔ آج وہ ایک کانٹوں والا جنگل بن چکا ہے تو ہم حیرت سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں۔ دہائیوں کی وہ محنت ہے جس نے ہمارے قومی بیانیے کو پر تشدید بنا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ دلیل پر بات کرنے والوں کو ملک دشمن قرار دیدیا۔ جب تک اس مخصوص سوچ کے تبادل بیانیہ تشكیل نہیں دیا جاتا، قتل و غارت جاری رہ گئی۔ ہو سکتا ہے کہ مزید بڑھ جائے۔ لگتا ہے کہ یہ تو ابھی صرف اور صرف ابتداء ہے۔